POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 17-18 September 2024, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages
8

HAMARI
ZABAN
(Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 85 واں سال

Date of Publication: 16-09-2024 • Price: 5/- • 22-28 September 2024 • Issue: 36 • Vol:83

۲۲ تا ۲۸ ستمبر ۲۰۲۴ء • شمارہ:۳۶ • جلد:۸۳

صحتِ زبان (۱۸)

رؤف پاریکھ

☆ انکساری اور انتظاری

عربی لفظ انکسار کا سہ حرفی مادہ ’ک۔س۔ر‘ ہے۔ کسر کا مطلب ہے ٹوٹنا۔ جب کسی چیز میں کمی یعنی گھاٹا ہوتا ہے تو اسے بھی کسر اس لیے کہتے ہیں کہ ایک طرح سے وہ ٹوٹا ہوا ہوتا ہے، پورا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حساب میں بھی اکائی کے ایک حصے یعنی عددِ صحیح کے کسی ٹکڑے کو کسر کہتے ہیں[1] اور جس کا ایک نام بٹا بھی ہے، مثلاً ایک بٹا دو۔

غالباً جوش ملسیانی کا شعر ہے:

طالبِ خیر نہ ہوں گے کبھی انسان سے ہم
نام اس کا ہے بشر، اس میں ہے شر دو بٹا تین

فروتنی کے مفہوم میں بھی کسر اسی لیے استعمال ہوتا ہے کہ انکسار کا مطلب عاجزی کرنا بھی ہے۔ کسر اور انکسار کے الفاظ عاجزی کے معنی میں شاید اسی لیے آگئے ہوں گے کہ جب کوئی عاجزی کرتا ہے تو گویا خود کو توڑتا ہے۔ عاجزی یا انکسار کے معنوں میں ’کسرِ نفسی‘ کی ترکیب بھی استعمال ہوتی ہے۔ جب کوئی خود کو اصل سے کم تر یا کم علم ظاہر کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ وہ کسرِ نفسی سے کام لے رہے ہیں۔

خاکساری، عاجزی، فروتنی کے مفہوم میں بعض لوگوں کو ’انکساری‘ یا ’عاجزی و انکساری‘ بولتے آپ نے بھی سنا ہوگا۔ کچھ لوگ اس طرح لکھتے بھی ہیں۔ لیکن انکسار اور انکساری میں سے کیا درست ہے، اس پر اختلاف ہے۔ ایک خیال یہ ہے کہ انکساری درست نہیں ہے۔ صحیح لفظ ’انکسار‘ ہے اور انکساری تو عوام نے عاجزی کے قیاس پر بنا لیا ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ انکساری ان تصرفات میں شامل ہے جو اردو والوں نے عربی الفاظ کے ساتھ روا رکھے ہیں اور اب یہ درست تسلیم کیا جانا چاہیے۔

مرتبینِ ’قاموس الاغلاط‘ (سید مختار احمد اور مولانا ذہین) کے مطابق انکساری غلط ہے اور انکسار درست ہے[2]۔ احسان دانش نے لکھا ہے کہ انکسار (الف مکسور، کاف مکسور) عاجزی کے مفہوم میں ہے اور اس میں ’ی‘ کا اضافہ کرکے انکساری لکھنا یا بولنا درست نہیں[3]۔ قیوم ملک کے مطابق ’انکسار‘ بابِ ’انفعال‘ سے ہے اور معنی ہیں: ٹوٹنا، عاجزی کرنا[4]۔ اسی وزن پر انحراف، انسداد، انہدام، انکشاف وغیرہ کے لفظ ہیں۔

ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر انکسار کے بجاے انکساری درست ہے تو کیا انحراف کی جگہ انحرافی، انہدام کے بجاے انہدامی اور انکشاف کی جگہ انکشافی بھی استعمال کیا جاسکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں، کیونکہ یہاں معنی بدل جاتے ہیں۔ بہرحال، اردو میں ان معنوں میں ’انکساری‘ کا استعمال ہوتا رہا ہے اور اسی لیے رشید حسن خاں صاحب کا کہنا تھا کہ انکساری صحیح ہے اور لغات میں بھی درج ہونا چاہیے۔ اس ضمن میں رشید صاحب کا استدلال اُنھیں کے الفاظ میں پیش ہے:

”انکساری: [فرہنگِ] آصفیہ، نور [اللغات]، امیر اللغات، سرمایۂ زبانِ اردو، ان میں سے کسی لغت میں یہ لفظ موجود نہیں ہے۔ یہ انکسار کا مزید علیہ ہے اور قدیمی، خلاصی، پابوسی (وغیرہ) [جیسے الفاظ] کی طرح مستعمل ہے اور یہ لفظ بھی اُسی طرح بنا ہے جس طرح یہ سب لفظ بنے ہیں۔ مولفینِ قاموس [الاغلاط] نے اس لفظ کو بھی غلط بتایا ہے۔ اثر لکھنوی مرحوم نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے (الحمرا، لاہور، جنوری ۱۹۵۴ء)۔ طغیانی اور خلاصی کی طرح انکساری بھی اردو میں قبولِ عام کی سند پا چکا ہے اور اب یہ لفظ بھی ایسے دوسرے الفاظ کی طرح بالکل صحیح ہے اور اسے لغت میں باقاعدہ جگہ ملنا چاہیے[5]۔“

لیکن اس رائے سے مکمل طور پر اتفاق کرنا مشکل ہے کہ ’اسے لغت میں باقاعدہ جگہ ملنا چاہیے۔‘ اردو کی دیگر لغات میں دیکھا جائے تو پلیٹس نے انکسار اور انکساری ایک ساتھ ہی درج کیے ہیں[6]۔ جامع اللغات نے انکسار اور انکساری دونوں درج کیے ہیں اور انکسار کے ساتھ مذکر اور انکساری کے ساتھ مونث لکھا ہے[7]۔ لیکن فیلن نے انکسار دیا ہے، انکساری نہیں دیا[8]۔ ڈنکن فوربس نے بھی انکسار درج کیا ہے لیکن انکساری درج نہیں کیا[9]۔ اردو لغت بورڈ کی لغت میں انکسار کے ساتھ انکساری بھی درج ہے لیکن پہلے بطور اسم (مونث) لکھا ہے اور معنی سے پہلے وضاحت کی ہے کہ یہ ’عوام‘ کی زبان ہے۔ بورڈ نے انکساری کا لفظ بطورِ صفت بھی درج کیا ہے اور معنی لکھے ہیں: انکسار سے منسوب، توڑنے والا، تقسیم کرنے والا[10]۔

جان شیکسپیئر کی لغت میں انکسار کے ساتھ انکساری بھی درج ہے البتہ انکساری کو انکسار سے رجوع کرایا گیا ہے[11] گویا مرتب کی نظر میں انکسار کو ترجیح حاصل ہے۔ لیکن شیکسپیئر کی لغت کا جائزہ لیتے ہوئے وارث سرہندی نے لکھا ہے:

”انکساری: بطور عربی لفظ درج ہے اور انکسار کا بدل قرار دیا گیا ہے۔ یہ بدل تو ہے مگر اردو بدل ہے، عربی بدل نہیں ہے۔ اس مسئلے پر تفصیل سے بحث ’انتظاری‘ کے ضمن میں ہوچکی ہے... یہ لفظ اپنی موجودہ ہیئتِ ترکیبی کے لحاظ سے اردو ہے اس لیے اس کا بھی اندراج اردو لفظ کی حیثیت سے ہونا چاہیے۔“[12]

اب ذرا ایک نظر اس پر بھی ڈال لی جائے کہ وارث سرہندی نے انتظاری کے ضمن میں کیا لکھا ہے (کیونکہ اردو میں بعض لوگ انتظار کے بجاے انتظاری بھی بولتے تھے، اگرچہ اب انتظاری شاذ و نادر ہی سننے میں آتا ہے اور اب زیادہ تر رائج انتظار ہی کا لفظ ہے)۔ شیکسپیئر کی لغت پر تبصرہ کرتے ہوئے وارث سرہندی نے لکھا ہے:

”انتظاری: انتظار کے بدل کے طور پر عربی لفظ کی حیثیت سے مندرج ہے۔ قدیم اردو میں اس کا استعمال ہوتا تھا۔ متقدمین کا یہ عام دستور تھا کہ عربی مصادر پر یاے مصدری کا اضافہ کرکے ان کو اردو بنا لیتے تھے۔ مگر بعد میں یہ طریقہ متروک ہوگیا اور عربی مصادر اپنی اصلی صورت میں بطور اسمِ کیفیت یا اسمِ مصدر استعمال ہونے لگے۔ فارسی میں بھی یہی چلن ہے۔ گویا انتظاری قدیم مؤرّد صورت ہے۔ چنانچہ اس کا اندراج بھی اردو لفظ کی حیثیت سے ہونا چاہیے۔“[13]

اردو لغت بورڈ نے بھی انتظاری درج کیا ہے اور ولی دکنی اور میر انیس کی اسناد دی ہیں لیکن ساتھ ہی اسے انتظار سے رجوع کرا دیا ہے[14]۔ گویا بورڈ کے خیال میں ’انتظار‘ مرجح ہے۔

قارئین! اب ’ہماری زبان‘ کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کرسکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

اس بحث میں ایک نکتہ یہ ہے کہ انکساری ''تقسیم کرنے والا، جو تقسیم کرے، جو توڑے، توڑنے والا'' کے معنی میں بھی ہے جس کا اندراج اردو لغت بورڈ کی لغت میں ہے۔ دوسرے یہ کہ انتظاری کی طرح انکساری کا استعمال بھی قدیم ہے، انتظاری تو قریب قریب متروک ہوگیا ہے لیکن انکساری کو اب بھی انکسار کے بجائے لکھا اور بولا جارہا ہے۔ رشید صاحب کا یہ فرمانا بجا کہ اس کا اندراج لغات میں ہونا چاہیے لیکن یہ طالبِ علم عرض کرتا ہے کہ اس کا اندراج اس وضاحت کے ساتھ ہونا چاہیے کہ یہ انکسار کی عوامی صورت ہے۔ ویسے رشید صاحب کی بعض باتیں ہم جیسے طالبِ علموں کی فہم سے بہت بالا ہوتی ہیں، مثلاً ایک طرف تو وہ اردو املا میں سختی سے فارسی کی تقلید کرنے پر زور دیتے ہیں اور دوسری طرف 'گرمائش' (جس کا املا ان کے اپنے قاعدے کے مطابق 'گرمایش' ہے) جیسے عوامی (اور اردو اور فارسی کے لحاظ سے غلط) لفظ کو محض کسی اشتہار کی بنیاد پر سندِ قبولیت عطا فرمادیتے ہیں[15]۔ انکساری بھی اسی ذیل میں ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے لکھا ہے ''انکساری: اول مکسور، انکسار کے ہوتے ہوئے انکساری بے ضرورت اور واجب الترک ہے۔ اس میں چھوٹی 'ی' کوئی کام نہیں کررہی، فاضلِ محض ہے۔''[15] بہرحال، اتنا ضرور عرض کریں گے کہ 'عجز وانکسار' کی ترکیب بھی اردو میں رائج ہے اور 'عاجزی وانکساری' کے بجائے عاجزی وانکسار بھی لکھا جاسکتا ہے۔ اور جیسا کہ وارث سرہندی نے لکھا ہے، عربی الفاظ کے ساتھ اس طرح 'ی' کا اضافہ کرنا قدیم صورت تھی اور بعد میں ترک کردی گئی۔ یہی بہتر ہے کہ انکسار استعمال کیا جائے اور انکساری کو لغات میں 'قدیم صورت' یا 'عوامی' کی وضاحت کے ساتھ درج کیا جائے۔ بالکل اسی طرح جس طرح اب انتظاری کو ترک کردیا گیا ہے اور صرف انتظار رائج اور درست ہے۔

☆ چیرمین کی جمع کیا ہے؟

اردو کے ساتھ اب انگریزی الفاظ کی بھی کم بختی آگئی ہے۔ اس کا اندازہ یوں ہوا کہ کچھ دن پہلے کسی ٹی وی چینل پر لفظ ''چیرمینز'' سننے میں آیا۔ خیال آیا کہ نہیں، چیرمینز نہیں ہوسکتا، کوئی اور لفظ ہوگا۔ ابھی ہماری صحافت کا معیار اتنا نہیں گرا۔ لیکن چند روز بعد یہ لفظ 'جنگ' اخبار کی ایک خبر میں نظر آیا جس میں کہا گیا تھا کہ اداروں کے ''چیرمینز'' کو فلاں کام کی ذمے داری دی جائے گی۔ اس پر سر پیٹنے کے سوا اور کیا کیا جاسکتا ہے۔

انگریزی کے لفظ چیرمین (chairman) کا مفہوم ہے کسی اجلاس، کمیٹی یا کمپنی کا سربراہ[17]۔ اس میں انگریزی کا لفظ مین (man) بھی شامل ہے جس کا مطلب ہے آدمی، مرد۔ پانچویں جماعت کا طالبِ علم بھی جانتا ہے کہ انگریزی میں مین (man) کی جمع ایس (s) لگا کر یعنی مینز (mans) نہیں بنائی جاتی بلکہ اس کی جمع میں 'اے' (a) کے بجائے 'ای' (e) لکھا جاتا ہے یعنی اس کی جمع کے ہجے ایم ای این (men) ہیں۔ اسی لیے چیرمین کی جمع میں ''اے'' کی جگہ ''ای'' لکھنے سے کام بن جائے گا۔ یعنی اس کی جمع chairmen ہے۔

لیکن ہمارے بعض قابل لوگوں نے پانچویں جماعت سے آگے بھی کچھ ''فالتو'' تعلیم حاصل کررکھی ہے لہٰذا انھوں نے انگریزوں کو بھی اصلاح دے دی ہے اور چیرمین کی جمع چیرمینز بنا کر ان کی زبان اور لغت میں ایک نئے لفظ کا اضافہ کردیا ہے۔ امید ہے کہ اوکسفرڈ والے اپنی لغت کے اگلے ایڈیشن میں نہ صرف اس نئے لفظ کو شامل کریں گے بلکہ اپنی جہالت کا اعتراف بھی کریں گے اور پاکستان کے ''دس جماعت پاس'' قابل لوگوں کا شکریہ بھی ادا کریں گے۔

☆ فیس کی جمع؟

انگریزی میں ایک لفظ ہے ''فی'' جس کے انگریزی ہجے ہیں fee۔ اوکسفرڈ کی شہرۂ آفاق انگریزی لغت (Concise Oxford English Dictionary) کے مطابق اس کے معنی ہیں: وہ معاوضہ یا محنتانہ جو کسی پیشہ ور یا عوامی خدمات کے ادارے یا فرد کو خدمات کی فراہمی کے عوض ادا کیا جائے[18]۔ انگریزی میں اس کی جمع fees ہے جس کا انگریزی تلفظ 'فیز' ہے لیکن اردو والے اسے 'فیس' لکھتے اور بولتے ہیں۔

دراصل اردو میں لفظ ''فیس'' جمع کے طور پر نہیں واحد کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور اس کی جمع ہم اردو کے قاعدے سے بناتے ہیں۔ مثلاً اس طرح کہتے ہیں کہ اس ڈاکٹر کی 'فیس' کتنی ہے؟ اسکولوں کی 'فیسیں' بہت بڑھ گئی ہیں۔ 'فیسوں' میں بہت اضافہ ہوگیا ہے۔ اردو کے حساب سے یہ بالکل درست ہے کیونکہ ہم نے یہ لفظ انگریزی سے لے کر اپنے لسانی اور صوتی سانچے میں ڈھال لیا ہے۔ اب فیس اردو کا لفظ ہے اور ہم اسے اردو قواعد کے لحاظ سے اور واحد ہی کے طور پر استعمال کریں گے۔

یہاں تک تو درست ہے لیکن ہم نے بعض لوگوں کو لفظ ''فیس'' کی جمع ''فیسز'' بولتے سنا ہے۔ کچھ لوگوں نے اس طرح لکھا بھی ہے۔ گویا ان کے خیال میں انگریزی کا اصل لفظ ''فیس'' ہے جو واحد ہے اور اس کی جمع فیسز ہے۔ شاید انھوں نے لفظ فیس کبھی انگریزی میں لکھا ہوا نہیں دیکھا یا دیکھا تو اسے واحد سمجھے۔ انگریزی میں 'فی' (fee) واحد ہے اور اس کی جمع 'فیز' (fees)۔ اس لفظ کی ''تارید'' ہوگئی یعنی اسے ''اُردوا'' لیا گیا اور اسے اردو میں 'فیس' بنالیا گیا۔ فیس اردو میں بطور واحد استعمال ہوتا ہے۔ اس کی جمع اردو میں جملے کی بناوٹ کے لحاظ سے فیسوں ہوگی یا فیسیں۔ فیسز کوئی لفظ نہیں ہے، نہ اردو میں نہ انگریزی میں۔

انگریزوں کو انگریزی نہیں آتی۔ انھیں چاہیے کہ ہم سے انگریزی سیکھیں اور اپنی زبان درست کرلیں۔

حواشی:

1. فرہنگِ آصفیہ (مرتبہ سید احمد دہلوی) چار جلدیں (لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۷۷ء)؛ نیز اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد چہاردہم (کراچی: اردو لغت بورڈ، ۱۹۹۲ء)۔
2. قاموس الاغلاط (حیدرآباد دکن: مکتبۂ ابراہیمیہ، سنہ ندارد)، ص ۱۶۔
3. لغات الاصلاح (لاہور: مکتبۂ دانش، ۱۹۵۲ء)، ص ۹۸۔
4. اردو میں عربی الفاظ کا تلفظ (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۹ء)، ص ۳۵، ۳۴ (اشاعتِ اول)۔
5. زبان اور قواعد (دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ۲۰۰۱ء)، ص ۸۵-۸۴ (تیسرا ایڈیشن)۔
6. دیکھیے جان ٹی پلیٹس (John T. Platts) کی لغت: Dictionary of Urdu, Classical Hindi and English، (لندن: کراسبی لاک وڈ اینڈ سنز، ۱۹۱۱ء) (اشاعتِ اول ۱۸۸۴ء)۔
7. جامع اللغات (مرتبہ خواجہ عبدالمجید) (لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۹ء)، (طبعِ نو)۔
8. فیلن ملاحظہ ہو: ایس ڈبلیو فیلن (S.W.Fallon) کی لغت: A New Hindustani-English Dictioanry، (دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ۲۰۰۴ء) (اشاعتِ اول ۱۸۷۹ء)
9. دیکھیے: ڈنکن فوربس (Duncan Forbes) کی لغت: A Dictionary Huindustani and English، (لندن: کراسبی لاک وڈ اینڈ سن، ۱۸۶۶ء) (اشاعتِ اول ۱۸۴۸ء)
10. اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد اول (کراچی: اردو لغت بورڈ، ۱۹۷۷ء)۔
11. دیکھیے جان شیکسپیئر (John Shakespear) کی لغت: Urdu-English and Englsih-Urdu Dictionary (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء) (عکسی طباعت) (اشاعتِ اول ۱۸۱۷ء)۔
12. وارث سرہندی، کتب لغت کا تحقیقی ولسانی جائزہ، جلد سوم (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء)، ص ۵۱۔
13. ایضاً، ص ۴۹۔
14. اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد اول، محولۂ بالا۔
15. اردو املا (دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ۱۹۹۸ء)، ص ۴۳۱-۴۳۰ (دوسرا ایڈیشن)۔
16. لغاتِ روزمرہ (کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۰۳ء)، ص ۶۵۔
17. ملاحظہ ہو: Concise Oxford Englsih Dictionary (اوکسفرڈ، ۲۰۱۱ء) (بارہواں ایڈیشن)۔
18. ایضاً۔

ڈاکٹر رؤف پاریکھ
A-337، بلاک 19، گلشنِ اقبال، کراچی، پاکستان
drraufparekh@yahoo.com

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میانِ من وتو (تحقیقی وتنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات ومضامین)	طاہر محمود	700/-
میر کی خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق وتوازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری وتاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتانجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکمِ سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-
مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر...	میر حسین علی امام، یاسمین سلطانہ فاروقی	700/-
لفظ (کلیاتِ زہرا نگاہ)	زہرا نگاہ	500/-
In This Live Desolation (Autobiography of Akhtarul Iman)	ترجمہ: بیدار بخت	500/-
سخنِ افتخار (کلیاتِ افتخار عارف)	افتخار عارف	1500/-
گواہی (شاعری)	گوہر رضا	500/-
میری زمین کی دھوپ (ہندی)	ونود کمار ترپاٹھی بشر	400/-
کھلا دروازہ	ڈاکٹر نریش	250/-
ٹیپو سلطان کا خواب (گریش کرناڈ)	محبوب الرحمان فاروقی	300/-
اپنی دنیا آپ پیدا کر	غلام حیدر	900/-
وقائعِ بابر	ظہیر الدین محمد بابر	1000/-
In This Poem Explanateions of Many Modern Urdu Poem (میراجی)	بیدار بخت	600/-

فراق گورکھپوری

ایک ناقابلِ فراموش شاعر

سراج زیبائی

آنے والی نسلیں تم پر فخر کریں گی ہم عصرو
جب بھی ان کو دھیان آئے گا تم نے فراق کو دیکھا ہے

دراصل فراق صفِ اول کی ایسی عہد ساز شخصیت تھی جن کی بابت ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے یہ بات سچ کہی تھی کہ 'فراق نہ ہوتے تو ہماری غزل کی سرزمین بے رونق رہتی'۔ درحقیقت آپ نے عالمی ادب کے معیار و اقدار سے قارئین کو آشنا کرایا تھا۔ فراق کی شاعری کا بنیادی مزاج عصری صداقتوں کا بے باکانہ اظہار ہے۔ اسی لیے آپ کے کلام کو بقائے دوام حاصل ہوا ہے۔ آپ کی شاعری حیات و کائنات کے رموز و اسرار کو کھولنے کا موجب بنتی ہے۔ نہایت لطیف نفسیاتی کیفیات سے آراستہ ہوتی ہے اور آپ کا کلام اس لیے بھی مقبول ہے کہ وہ عوام کے جذبات کی ترجمانی کا حق ادا کرتا ہے۔ آپ ایک صاحبِ طرز شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نامور ادیب اور جید نقاد کی حیثیت سے بھی کافی مقبول تھے۔

فراق الٰہ آباد یونیورسٹی میں شعبۂ انگریزی کے معروف استاد تھے۔ آپ نے ایک عرصے تک وکالت بھی کی تھی۔ آپ کی مجموعی خدمات کے صلے میں آپ کو معزز ترین گیان پیٹھ ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔ ابتدا میں آپ ریاض خیر آبادی سے اپنے کلام پر اصلاح لیتے رہے۔ آپ کو مولانا محمد علی جوہر، مولانا حسرت موہانی اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسی جلیل القدر ہستیوں کی رفاقتیں نصیب ہوئی تھیں۔ آپ 1922 میں کانگرس پارٹی کے انڈر سکریٹری بھی مقرر ہوئے تھے اور جیل کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ فراق کا شمار بیسویں صدی کے اہم ترین شعرا میں ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ فراق کی شاعری میں مصحفی کا رنگ پوری طرح نمایاں ہے لیکن آپ نے اپنی غزلوں میں جمالیاتی احساس کو پوری تہذیب و شائستگی کے ساتھ پیش کیا۔ آپ کی غزلوں کے بنیادی موضوعات حسن و عشق اور جمالیات پر مبنی تھے۔ آپ نے تہذیبی قدروں کی عظمت کو سمجھ کر شاعری کی یہی وجہ ہے کہ آپ کی شاعری میں زندگی کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں۔ فراق دل سے نکلی ہوئی بات کو دل میں اتار دینے کا فن جانتے تھے۔ اسی لیے وہ بڑی بلند آہنگی کے ساتھ کہتے ہیں:

میں کتابِ دل میں اپنا حالِ دل لکھتا رہا
ہر ورق اک باب تاریخِ جہاں بنتا گیا

موصوف کی شاعری میں ہمارے عہد کی سچائیاں در آتی تھیں۔ ضمیر فروشی خوف و دہشت، بے حسی اور سفاکی سب کو اپنے تخلیقی آب و رنگ دینے کی کوشش کرتے تھے۔ جوش ملیح آبادی نے فراق کی شاعری میں یہ ساری خوبیاں دیکھیں، اسی لیے تو انھوں نے کہا تھا 'فراق کی شاعری جن خوبیوں سے مالا مال ہے اردو میں اس کی مثالیں کم ملیں گی'۔

فراق کی شاعری اپنی خاص دلکشی و رعنائی اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہوتی ہے۔ ان کی غزلوں کی جو خاص کشش ہوتی ہے وہ دلوں کو گرماتی ہے۔ فراق صاحب کی شاعری نے کئی نسلوں کی آبیاری کی ہے۔ آپ کی ادبی خدمات ہماری شعری تاریخ کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ اپنی عشقیہ شاعری سے آپ نے پوری ادبی دنیا کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ ان کے چند خوب صورت اشعار ملاحظہ ہوں:

آنکھ وہ ہے جو تری جلوہ گہ ناز بنے
دل وہی ہے جو سراپا ترا ارماں ہو جائے
مری ہر غزل کو یہ آرزو تجھے سج سجا کے نکالیے
مری فکر ہو ترا آئینہ مرے نغمے ہوں ترے پیرہن

ایک مدت سے تری یاد بھی آئی نہ ہمیں
اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ایسا بھی نہیں

دیے رہو یونہی کچھ دیر اور ہاتھ میں ہاتھ
ابھی نہ پاس سے جاؤ بڑی اداس ہے رات

اس طرح آپ کے اشعار میں جذبۂ عشق کا پوری طرح اظہار ہوتا ہے۔ موصوف کے ہاں غزل ایک نئے اور روایتی لہجے اور نئے ذائقے سے قاری کو آشنا کرتی ہے۔ اس میں جدت طرازی کے بہت سے نمونے مل جاتے ہیں اور ساری امیجری آپ کے یہاں ایک نیا روپ اختیار کرتی ہوئی اس طرح نظر آتی ہے:

بہت پہلے سے ان قدموں کی آہٹ جان لیتے ہیں
تجھے اے زندگی ہم دور سے پہچان لیتے ہیں

نرم فضا کی کروٹیں دل کو دکھا کے رہ گئیں
ٹھنڈی ہوائیں بھی تری یاد دلا کے رہ گئیں

فراق کی شاعری میں افکار مستعار نہیں ہوتے۔ آپ نے اپنے انفرادی موضوعات کو خود شناخت کیا اور نئے اسالیب خود ایجاد کیے۔ فراق کی شعری رینج یعنی ان کے موضوعات کا دامن بہت وسیع ہے۔ اکثر شعروں میں فراق نے بلند ترین انسانی اقدار اور اخلاقیات کو نہایت واضح طریقے سے پیش کیا ہے۔ آپ کی شاعری کو پڑھ کر ہم یہ قطعی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ موصوف نے اپنی شاعری روزمرہ کی زندگی کے احوال و واقعات اور مشاہدات و تجربات کو سامنے رکھ کر لکھی ہے۔ مثال کے طور پر یہ اشعار دیکھیں جن میں شعری روایت کا تسلسل بھی ہے اور یہ مزاج کے اعتبار سے جدید تر بھی:

کرتے نہیں کچھ تو کام کرنا کیا آئے
جیتے جی جاں سے گزرنا کیا آئے
رو رو کے موت مانگنے والوں کو
جینا نہیں آ سکا تو مرنا کیا آئے

شام بھی تھی دھواں دھواں حسن بھی تھا اداس اداس
دل کو کئی کہانیاں یاد سی آ کے رہ گئیں

ہم ہیں وہ بے کس و بے یار کہ بیٹھے بیٹھے
اپنا دکھ درد کہا کرتے ہیں دیواروں سے

فراق صاحب کی شاعری کی اہم خوبی یہ ہے کہ وہ جہاں ادبیت کی حامل ہوتی ہے وہیں مشاعروں کے سامعین کے ذائقے پر بھی پوری اترتی ہے۔ یہ اس لیے کہ آپ نے اپنی شاعری میں لفظ و بیان کے نئے افق روشن کیے تھے۔ حضرت جگر مراد آبادی نے فراق کے بارے میں یہ پیش گوئی کی تھی:

''جب ہم لوگوں کو بھول جائیں گے اس وقت بھی فراق کی یاد تازہ رہے گی۔''

فراق کی جتنی بھی تصانیف ہیں جیسے مشعل، گلِ نغمہ، اندازے، شبستاں، شعلۂ ساز، رمز و کنایات، غزلستان، شعرستان، پچھلی رات، گلبانگ شبنمستان، روح کائنات، روپ وغیرہ۔ وہ سب ایک خوش گوار اور مہذب اسلوبِ نگارش کا بہترین نمونہ پیش کرتی ہیں۔ اپنی پوری شاعری میں فراق نے انسانی رویوں کا بڑا گہرا مطالعہ اور مشاہدہ پیش کیا ہے۔

دراصل زبان کے تخلیقی استعمال ہی سے اچھی شاعری معرضِ وجود میں آتی ہے۔ اس حقیقت سے فراق صاحب بہ خوبی واقف تھے۔ لہٰذا اپنی زبان میں شائستگی، جدت، انوکھے پن اور رعایتِ لفظی سے شاعری میں تغیر پیدا کرتے تھے۔ اس حیثیت سے دیکھا جائے تو آپ کا کلام فنی اعتبار سے اعلا معیار کا حامل ہوتا ہے۔ اسی لیے تو علی سردار جعفری نے فراق کو 'ایک عظیم فنکار' قرار دیا ہے۔ عشق و محبت سے بھرپور آپ کے یہ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

امیدوں میں بھی ان کی ایک شان بے نیازی ہے
ہر آسانی کو جو دشوار ہو جانا سمجھتے ہیں

معرکے سر ہوں اسی برق نظر سے اے حسن
یہ چمکتی ہوئی چلتی ہوئی تلوار تو ہے

کسی کا یوں تو ہوا کون عمر بھر پھر بھی
یہ حسن و عشق تو دھوکا ہے سب مگر پھر بھی

سر میں سودا بھی نہیں دل میں تمنا بھی نہیں
لیکن اس ترکِ محبت کا بھروسہ بھی نہیں

فراق صاحب کی غزلیں جس قدر عمدہ ہیں، نظموں میں بھی آپ کی افتادِ طبع اور سوز و گداز کا عنصر نمایاں ہوتا ہے۔ آپ کی مقبول نظموں میں شام عبادت، عہدِ طفلی کا بیان، ترانۂ عشق، ہنڈولہ، پرچھائیاں، جگنو، آدھی رات وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ 'روپ' میں جو رباعیات شامل ہیں ان ہی کی بدولت فراق کو رباعی گو شعرا میں ایک امتیازی مقام حاصل ہوا۔ نظموں میں جو امیجری فراق صاحب نے پیش کی وہ انتہائی خوب صورت ہے۔ دیکھیے گا:

چشم سیہ تبسمِ پنہاں لیے ہوئے
پو پھوٹنے سے قبل افق کی اداہٹیں
کس دیس کو سدھار گئیں اے جمالِ یار
رنگیں لبوں پہ کھیل کے کچھ مسکراہٹیں

آ رہا ہے ناز سے سمتِ چمن وہ خوش خرام
دوش پر وہ گیسوئے شب گوں کے منڈلاتے سحاب
عشق کی آغوش میں بس اک دلِ خانہ خراب
حسن کے پہلو میں صدہا آفتاب و ماہتاب

...(بقیہ صفحہ 7 پر)

اردو دُنیا

اردو اساتذہ کی محفوظ اسامیوں کو عام زمرے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ

آٹھ اضلاع کے اساتذہ کا چیف منسٹر سے نمائندگی

حیدرآباد(9 ستمبر)۔ریاست کے آٹھ اضلاع سے تعلق رکھنے والے اساتذہ نے مختلف محفوظ زمروں کے عہدوں کو عام زمرے میں تبدیل کرتے ہوئے ان کو پُر کرنے کا مطالبہ کیا۔ان اساتذہ نے ڈائرکٹر وکمشنر اسکول ایجوکیشن کے ذریعے چیف منسٹر ریونت ریڈی سے کی گئی نمائندگی میں کہا کہ ڈی ایس سی 2012، ٹی آر ٹی 2017اور ڈی ایس سی 2024 میں مخصوص زمرے کے اساتذہ کی عدمِ دستیابی پر ان عہدوں کو عام زمرے میں تبدیل کرتے ہوئے ان کو پُر کرنے کے اقدام کیے جائیں۔ان اساتذہ نے کہا کہ اساتذہ کی کمی کی وجہ سے اردو میڈیم کے سرکاری اسکول کے طلبہ کو معیاری تعلیم فراہم کرنے میں کئی چیلنجز کا سامنا ہے۔حکومت تقررات کے امتحانات کے ذریعے سرکاری اسکولوں میں تعلیم کے معیار کو بہتر بنانے کی سنجیدہ کوشش کررہی ہے اور اساتذہ کا تقرر کررہی ہے تاہم اس تقرر میں محفوظ زمرے کے امیدواروں کی عدمِ دستیابی کی وجہ سے اردو میڈیم کی اسامیوں کو پُر کرنے میں رکاوٹیں ہیں۔ان عہدوں کو ڈی ایس سی 2012 سے ٹی آر ٹی 2017 اور پھر ڈی ایس سی 2024 میں بھی رکھا گیا ہے۔ان اساتذہ نے ایسے عہدوں کی تفصیلات بھی اس نمائندگی کے ساتھ منسلک کی ہے۔انھوں نے کہا کہ اس سلسلے میں اردو میڈیم اسکولوں کی بہتری کے لیے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے مناسب اقدام کیا جائے۔ (اعتماد۔حیدرآباد)

بہار اردو اکادمی اور اردو مشاورتی کمیٹی کی تشکیل جلد ہو

ڈاکٹر عقیل صدیقی

پٹنہ(29 اگست)۔اردو زبان وادب کی ترقی،فروغ اور تشہیر کے لیے قائم بہار اردو اکادمی اور اردو مشاورتی کمیٹی کی کئی برسوں سے تشکیل نہیں ہو پانے سے اردو کے فروغ اور تشہیر کا کام بخوبی انجام نہیں پا رہا ہے۔اردو اکادمی میں جہاں سکریٹری اور اس کے ارکان کی تشکیل عمل میں آنی ہے وہیں اردو مشاورتی کمیٹی کے لیے چیئرمین اور ممبران کا انتخاب ہونا ہے مگر کافی دنوں سے کسی نامساعد حالات کے سبب ممکن نہیں ہوسکا حالاں کہ حکومتِ بہار اردو کے فروغ اور تشہیر کے لیے سنجیدہ اور سرگرم ہے۔نتیش حکومت کی اردو دوستی اور اردو نوازی سے اقلیتی طبقہ بخوبی واقف ہے پھر بھی اب تک ان کمیٹیوں کی تشکیل نہیں کیا جانا اردو والوں کے لیے باعثِ تشویش ہے۔ان خیالات کا اظہار اردو تحریک کے سرگرم خادم ڈاکٹر عقیل صدیقی نے ایک پریس ریلیز کے ذریعے کیا ہے۔انھوں نے نتیش حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ بہار پبلک سروس کمیشن پٹنہ کے سابق چیئرمین جن کی سرگرم اور فعال شخصیت محتاجِ تعارف نہیں اور ان کی کارگزاریاں اور سرگرمیاں حکومت سے لے کر عوامی سطح تک ظاہر ہیں اور اسی طرح روزنامہ 'قومی تنظیم' کے مدیرِ اعلا ایس ایم اشرف فرید جنھوں نے اردو زبان کی ترویج واشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا ہے اور جسے تاریخ فراموش نہیں کرسکتی۔ایسی شخصیتوں کو اردو مشاورتی کمیٹی کا چیئرمین اور اردو اکادمی میں باوقار عہدہ دے کر حکومت اپنی اردو دوستی کا پیغام دے سکتی ہے۔اس سے اقلیتوں میں حکومت کے تئیں اظہارِ تشکر کا جذبہ پیدا ہوگا اور وہ حکومت کو استحکام ودوام بخشنے میں اپنا ہر ممکن کردار پیش کرسکیں گے۔ (قومی تنظیم۔پٹنہ)

سی بی ایس ای بورڈ امتحان

صرف انگلش اور ہندی میں لکھنے کی شرط سے اُردو میڈیم کے طلبہ پریشان

نئی دہلی (18 ستمبر)۔سنٹرل بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن (سی بی ایس ای) کے ذریعے طلبہ کو بورڈ امتحانات میں انگریزی اور ہندی کے علاوہ کسی بھی زبان میں لکھنے سے منع کرنے کے فیصلے سے حیدرآباد کی مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی (مانو) کے تین اسکولوں کے لیے پریشانیاں پیدا ہوگئی ہیں۔'مانو' ماڈل اسکول نوح (ہریانہ) اور دربھنگہ (بہار) اسکول میں اردو ذریعۂ تعلیم فراہم کرتے ہیں۔یہ سی بی ایس ای سے وابستہ ہیں جو زبان کے لحاظ سے کسی بھی ذریعے کو سرکاری طور پر تسلیم نہیں کرتا بلکہ طلبہ کو اپنا داخلہ فارم بھرتے وقت اپنی پسند کی زبان منتخب کرنے کا اختیار دیتا ہے۔سی بی ایس ای کی گورننگ باڈی نے جون میں فیصلہ کیا تھا کہ بورڈ کی اجازت کے بغیر ہندی اور انگریزی کے پرچوں کے علاوہ کسی بھی زبان میں لکھے گئے جوابی پرچوں کی جانچ نہیں کی جائے گی۔صرف دہلی کے اسکولوں کو اجازت حاصل کرنے کے بعد زبان کا انتخاب کرنے کی آزادی ہوگی۔

واضح رہے کہ رواں سال میں سی بی ایس ای بورڈ کے سامنے وجے واڑہ کے طلبہ کے اردو میں لکھے گئے جوابی پرچے کا معاملہ سامنے آیا تھا۔یہ طلبہ مانو سے وابستہ نہیں تھے۔اس سلسلے میں منعقدہ میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ 'متعلقہ اسکول کو علاقائی دفتر کی طرف سے ہدایت دی جاسکتی ہے کہ بورڈ کی منظوری کے بغیر ہندی یا انگریزی کے علاوہ دوسری زبانوں میں لکھے گئے پرچوں کی جانچ نہیں کی جائے گی۔ہدایت کے باوجود اگر کوئی طالبِ علم بورڈ کی پالیسی کے خلاف جوابی پرچہ ہندی اور انگریزی کے علاوہ کسی اور زبان میں لکھتا ہے تو اس کا نتیجہ اس مضمون میں کوئی نمبر دیے بغیر اعلان کردیا جائے گا۔' قابلِ ذکر ہے کہ مانو نے 2010 میں تین ماڈل اسکول شروع کیے تھے۔ان میں سے دو اسکولوں کے عہدیداروں نے کہا کہ سی بی ایس ای نے انھیں اختیار دیا تھا کہ وہ مکمل طور پر اردو ذریعۂ تعلیم کے ساتھ اسکول جاری رکھ سکتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ 2020 تک مانو کے طلبہ کو سوالیہ پرچہ انگریزی، ہندی اور اردو زبان میں دیا جاتا تھا۔2021 سے بورڈ نے اردو میں سوالیہ پرچہ دینا بند کردیا۔گذشتہ تین برسوں سے ان تینوں اسکولوں کے طلبہ کو امتحانات کے پرچے ہندی اور انگریزی میں بھیجے جانے کے باوجود اپنا جوابی پرچہ اردو میں لکھتے رہے ہیں۔اب سی بی ایس ای کے آخری فیصلے کے بعد ان اسکولوں کے طلبہ کو اردو میں جوابی پرچہ لکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

مانو کے عہدیداروں نے کہا کہ 'سی بی ایس ای نے اردو میں امتحانات کے پرچے نہیں بھیجنے کے تعلق سے ہم سے کوئی بات چیت نہیں کی۔ہمارے طلبہ کو امتحانات کے پرچے سمجھنے میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔جب سے اردو میں سوالیہ پرچہ آنا بند ہوئے ہیں ہم نے سی بی ایس ای کو طلبہ کو ہونے والی دشواریوں کے بارے میں آگاہ کیا ہے لیکن بورڈ نے ابھی تک اس مسئلے کو حل نہیں کیا ہے۔'

مانو میں پولٹیکل سائنس کے پروفیسر افروز عالم نے کہا کہ قومی تعلیمی پالیسی مادری زبان میں تعلیم کی وکالت کرتی ہے اور سی بی ایس ای کے اقدام اس پالیسی کے خلاف ہیں۔انھوں نے کہا کہ 'ایک مرتبہ جب طلبہ اردو سیکھنا شروع کردیں تو انھیں اسی میڈیم میں امتحانات دینے کی اجازت دی جانی چاہیے۔انھیں انگریزی اور ہندی میں جوابی پرچہ لکھنے کے لیے کہنا ناانصافی ہے۔' سی بی ایس ای کی امتحانات کنٹرولر سانیم بھاردواج نے مانو اسکولوں کو اردو میڈیم اسکول تسلیم کرنے سے انکار کردیا ہے۔اس ضمن میں دی ٹیلی گراف اخبار کو دیے گئے ایک ای میل کے جواب میں انھوں نے لکھا کہ 'اردو میڈیم اسکول صرف دہلی میں ہیں اور ان کی ضرورت کے مطابق انھیں اردو میں پرچے فراہم کیے جاتے ہیں۔ (انقلاب۔دہلی)

گورنمنٹ پرائمری اسکول اردو میڈیم شمس آباد کا کوئی پرسانِ حال نہیں

جماعتی کمروں اور اساتذہ کی کمی

شمس آباد(9 ستمبر)۔شمس آباد میونسپل میں واقع گورنمنٹ پرائمری اسکول اردو میڈیم کئی مسائل سے دوچار ہے۔پرائمری اسکول میں پہلی تا پانچویں جماعت کے لیے صرف تین ٹیچر ہی تقریباً 175 طلبہ کو تعلیم دے رہے ہیں۔پانچ جماعتوں کے لیے تین کلاس رومس کی وجہ سے طلبہ کی تعلیم متاثر ہورہی ہے۔اردو میڈیم کے لیے دو ٹیچرس کی ضرورت ہے اور ساتھ ہی مزید تین جماعتی کمروں کی بھی ضرورت ہے۔اسکول اساتذہ کے کئی مرتبہ شمس آباد میونسپل آفس اور منڈل ایجوکیشن آفیسر کو یادداشت پیش کرنے کے باوجود کوئی بھی اقدام نہیں کیے گئے۔اسکول میں پانی کی شدید قلت ہے جس کی وجہ سے طلبہ کو مشکلات پیش آرہی ہیں۔اردو میڈیم اسکول کے اطراف تلگو میڈیم پرائمری اسکول اور ہائی اسکول موجود ہیں وہاں تمام سہولیات مہیا ہیں اور جی ایم آر کی جانب سے طلبہ کو تمام سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں جب کہ پرائمری اسکول اردو میڈیم کو جی ایم آر، میونسپل اور منڈل ایجوکیشن آفیسر سبھی نظر انداز کررہے ہیں۔اردو میڈیم کو سبھی درکار اشیا سے محروم رکھا گیا ہے۔اسکول کی صفائی کے لیے آشا ورکر بھی موجود نہیں ہے۔اساتذہ ہی ہفتے میں ایک مرتبے پیسے دے کر صفائی کا انتظام کررہے ہیں۔اردو میڈیم کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہے۔اردو کی ترقی اور فروغ کے لیے اردو میڈیم کے طلبہ کو بہتر تعلیم فراہم کرنا لازمی ہے۔طلبہ کے سرپرستوں نے اپیل کی کہ کوئی بھی آرگنائزیشن آگے آکر اردو میڈیم اسکول کو درکار سہولتیں فراہم کرے۔ (سیاست۔حیدرآباد)

اردو ٹیچرز ایسوسی ایشن کی ریاستی وزیر سریدھر بابو سے نمائندگی

نرمل (3 ستمبر)۔تلنگانہ اسٹیٹ اردو ٹرینڈ ٹیچر ایسوسی ایشن ضلع نرمل کے زیرِ اہتمام وزیر آئی ٹی وانڈسٹریل ریاست تلنگانہ ڈی سریدھر بابو سے ملاقات کرتے ہوئے انھیں ایک تحریری یادداشت پیش کی گئی اور اردو میڈیم اسکولوں میں مخصوص زمروں کی اسامیوں کو عام زمرے میں تبدیل کرتے ہوئے خالی اسامیوں پر تقرری کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ایسوسی ایشن کے ذمے داروں نے کہا کہ محفوظ زمرے میں امیدواروں کی عدمِ موجودگی سے بہت سی اسامیوں پر تقرر نہیں کیا جارہا ہے اور اساتذہ کی کمی کی وجہ سے طلبہ معیاری تعلیم سے محروم ہورہے ہیں۔اس موقعے پر ایم ایل اے مہیشور ریڈی، ضلع کلکٹر نرمل ابھیلاشا ابھینو، ایڈیشنل کلکٹر لوکل باڈی نرمل فیضان احمد، ڈی سی سی پریسیڈنٹ سری ہری راؤ اور تلنگانہ اسٹیٹ اردو ٹرینڈ ٹیچرز ایسوسی ایشن نرمل کے صدر افروز خاں، نائب صدر قیصر پاشاہ، جنرل سکریٹری محمد عبدالعظیم، شیخ یاسر، یاسین، اشفاق اور دیگر سرگرم اراکین موجود تھے۔ (سیاست۔حیدرآباد)

کچھ اُداس نظمیں
ہربنس مکھیا
قیمت: 300 روپے

انجمن ترقی اردو جھارکھنڈ کا جلسہ

رانچی (26 اگست، پریس ریلیز) گوگل میٹ پر انجمن ترقی اردو جھارکھنڈ کی آن لائن توسیعی میٹنگ 25 اگست 2024 کو پلاموکمشنری کے انچارج ڈاکٹر یاسین انصاری کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ میٹنگ میں دھنباد انجمن کے سکریٹری ڈاکٹر حسن نظامی، صدر ایس ایم رضوی، ہزاری باغ کے صدر ڈاکٹر ہمایوں اشرف، جمشید پور کے صدر ضیاء المبین انصاری، جامتاڑا کے صدر مولانا عبدالرزاق، سکریٹری عبدالرقیب رحمانی، گڑھوا کے صدر ڈاکٹر ایم این صدیقی، سکریٹری ڈاکٹر خدا بخش انصاری، ماہتاب عالم، منصور عالم، صدرالدین خان، ڈالٹن گنج سے انتخاب عالم، سکریٹری، گریڈیہ کے صدر ڈاکٹر انظر عالم، ڈاکٹر غلام صمدانی، ڈاکٹر فرحت جہاں، محمد امتیاز عالم، محمد امتیاز احمد، دمکا کے سکریٹری محمد افضل، رام گڑھ کے سکریٹری غلام جیلانی، گڈا کے کنوینر سلیمان جہانگیر، کلیم اللہ پروانہ، گملا کے کنوینر آصف انصاری، رخسار پروین، سمڈیگا کے کنوینر محمد ابرار عالم کے علاوہ مختلف ضلعوں کے درجنوں اراکینِ انجمن ترقی اردو شامل ہوئے اور اپنی باتیں رکھیں۔ اردو یونٹ کے سروے کرانے پر اتفاق کیا گیا۔

ڈاکٹر یاسین انصاری نے اپنے خطاب میں اس بات پر زور دیا کہ ہمیں انجمن کو عام لوگوں سے جوڑنا ہوگا۔ تنظیم کو بلاک سے پنچایت سطح تک لے جانا ہوگا۔ ڈاکٹر ہمایوں اشرف نے پلس ٹو اسکولوں میں اردو ٹیچروں کی تقرری اور اردو شعبے کے قیام پر متحرک ہونے کی بات کہی۔ ڈاکٹر انظر نے گریڈیہ کے 13 بلاک میں انجمن ترقی اردو کی کمیٹی کی تشکیل کرنے کی بات کہی۔ ڈاکٹر خدا بخش نے ایک ہفتے کے اندر اردو یونٹ کے سروے کے مکمل کرانے کی بات کہی۔ ڈاکٹر حسن نظامی نے اردو یونٹ کے سروے کرانے پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر غلام صمدانی نے گریڈیہ کے تعلق سے بلاک سطح پر لوگوں کو اردو سے جوڑنے کا یقین دلایا۔

مرکزی نمائندہ ایم زیڈ خان نے جولائی اور اگست تک کی کارگزاریوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے سیاست کے دبستانوں میں اپنی بات پہنچادی ہے۔ اب ان پر یہ منحصر ہے کہ اردو آبادی کے مسائل کو کتنی سنجیدگی سے لیتے ہیں۔ وقت پر ان کا بھی احتساب کیا جائے گا۔ انھوں نے مزید کہا کہ ہمارا مقصد انجمن کا ڈیموکریٹائیزیشن کرنا ہے تاکہ جھارکھنڈ میں اردو تحریک کھڑی کی جاسکے۔ اس کے لیے اردو آبادی کی بلا کسی امتیاز کے انجمن ترقی اردو سے جذباتی وابستگی ضروری ہے، ورنہ ہم اپنے کلچر و ثقافت کو بچانے میں کامیاب نہیں ہو پائیں گے۔

اس موقعے پر خالد سجاد، اقبال احمد، ڈاکٹر انتخاب عالم، آصف انصاری، محمد ابرار عالم اور رخسار پروین نے بھی میٹنگ سے خطاب کیا۔ میٹنگ میں ڈاکٹر جمشید قمر، ضیاء المبین انصاری، ندرت، محمد امتیاز احمد، ڈاکٹر ایم این صدیقی، منصور عالم، محمد فیض اور دانش عبداللہ وغیرہ شامل تھے۔

میٹنگ میں اتفاقِ رائے سے کچھ فیصلے لیے گئے:

* باقی ماندہ 10 اضلاع میں ستمبر کے اواخر تک انتخابی عمل مکمل کرلیا جائے گا۔
* اردو یونٹ کو لے کر جھارکھنڈ کے تمام اضلاع کے پرائمری اور مڈل اسکولوں میں سروے کرایا جائے گا۔
* ممبر سازی کی مہم میں تیزی لائی جائے گی اور اس کا دائرہ بلاک سے پنچایت کی سطح تک لے جایا جائے گا۔
* اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیے جانے والے اکتوبر 2007 کے جھارکھنڈ سرکار کے نوٹی فکیشن کو نافذ کرائے جانے کے لیے وزیرِ اعلا کے نام ای میل کی مہم کی شروعات ستمبر ماہ میں کی جائے گی۔
* پلس ٹو اردو اسکولوں میں اردو ٹیچروں کی تقرری کو یقینی بنانے کے لیے سرکار پر دباؤ بنایا جائے گا۔

آن لائن میٹنگ کی نظامت ایم زیڈ خان نے کی اور اظہارِ تشکر سیّد مفتاح العارفین نے پیش کیا۔

مولوی محمد باقر آزادی کی جنگ میں شہید ہونے والے اولین صحافی تھے: معصوم مرادآبادی

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کے صدر دفتر میں مولوی محمد باقر دھلوی پر خطبہ

نئی دہلی (17 ستمبر، پریس ریلیز)۔ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی کے زیرِ اہتمام اردو کونسل کے صدر دفتر میں پہلے شہید صحافی مولوی محمد باقر پر یادگاری خطبے کا انعقاد کیا گیا۔ خطبہ مشہور صحافی معصوم مرادآبادی نے دیا جب کہ صدارت سینئر صحافی اور ادیب اسد رضا نے کی۔ افتتاحی کلمات پیش کرتے ہوئے ڈائرکٹر قومی کونسل ڈاکٹر شمس اقبال نے کہا کہ معاشرہ اور سماج میں صحافی کا کردار بہت اہم ہوتا ہے اسی کے ذریعے عام لوگوں میں بیداری آتی ہے۔ ادیب اور صحافی لوگوں کی ذہن سازی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، مادرِ وطن کی آزادی میں بھی صحافت نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اب باضابطہ صحافیوں کے کردار پر گفتگو کرنے کی ضرورت ہے، اردو کے ممتاز صحافیوں پر جامعات میں بھی تحقیق ہونی چاہیے۔ آج مولوی باقر جیسے عظیم صحافی اور مجاہد کو یاد کیا جانا چاہیے اور ان کے کارناموں سے لوگوں کو واقف کرانا چاہیے ان ہی مقاصد کے تحت آج کے خطبے کا اہتمام کیا گیا۔ معصوم مرادآبادی نے اپنے خطبے میں کہا کہ ہندستان کی جنگِ آزادی میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے والا صحافی اسی اردو زبان نے پیدا کیا تھا، جس کی کوکھ سے انقلاب زندہ باد کے نعرے نے جنم لیا تھا۔ اس جید صحافی اور شہیدِ اعظم کا نام تھا مولوی محمد باقر۔ اردو والے عام طور پر 'آبِ حیات' والے مولانا محمد حسین آزاد کے نام سے تو واقف ہیں لیکن کم ہی لوگوں کو اس بات کا علم ہے کہ ان کے والد مولوی محمد باقر اردو کے ایک جید صحافی تھے اور انھوں نے پہلی جنگِ آزادی میں جامِ شہادت نوش کیا تھا۔ انھیں یہ سزا اپنے ہفتہ وار 'دہلی اردو اخبار' میں پہلی جنگِ آزادی کی والہانہ اور سچی رپورٹنگ شائع کرنے کے جرم میں دی گئی تھی۔ انھوں نے مزید کہا کہ انقلاب 1857 کے دوران سب سے زیادہ جری کردار 'دہلی اردو اخبار' نے ادا کیا۔ 17 مئی 1857 کو ہفتہ وار 'دہلی اردو اخبار' کا شمارہ منظرِ عام پر آیا تو اس کے صفحات انقلاب کی خبروں سے لبریز تھے۔ سینئر صحافی اسد رضا نے صدارتی کلمات میں کہا کہ مولوی باقر مجاہدِ قلم تھے، اتحاد بین المذاہب والمسالک میں مولوی باقر کا اہم کردار رہا ہے۔ ڈائرکٹر شمس اقبال قابلِ مبارکباد ہیں کہ انھوں نے اس عظیم صحافی کو یاد کرنے کے لیے خطبے کا انعقاد کیا۔ کونسل کی اسسٹنٹ ڈائرکٹر ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی نے اظہارِ تشکر کیا۔

اس موقعے پر جے این یو اور انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ماس کمیونی کیشن کے طلبہ کے علاوہ ڈاکٹر کلیم اللہ (ریسرچ آفیسر)، انتخاب عالم (ریسرچ آفیسر)، شاہنواز محمد خرم (ریسرچ آفیسر)، ڈاکٹر مسرت (ریسرچ آفیسر)، محمد اجمل سعید (اسسٹنٹ ایجوکیشن آفیسر)، ڈاکٹر امتیاز احمد (اسسٹنٹ ایجوکیشن آفیسر) اور کونسل کا دیگر عملہ اور ملازمین موجود رہے۔

کالج میں پی جی نہیں ہونے سے ضلع کے طالبِ علم پڑھائی چھوڑنے پر مجبور

اردو مضمون سے پی جی کرنے کے لیے دربھنگہ یا پھر بیگوسرائے جانے کی مجبوری

سمستی پور (3 ستمبر)۔ ضلع میں بارہ سرکاری اور تیرہ ملحق، کُل 25 کالج ہیں جس میں صرف تین سمستی پور کالج، پی آر بی کالج، موہن پور اور آر بی کالج دلسنگھ سرائے میں ہی پی جی کی پڑھائی ہوتی ہے۔ چالیس لاکھ سے زائد آبادی والے اس ضلع میں ہر سال قریب ساٹھ ہزار طالبِ علم گریجویشن پاس کرتے ہیں۔ اب صرف تین کالجوں میں اتنی بڑی تعداد میں پاس ہوئے طلبہ کا پوسٹ گریجویٹ میں داخلہ ممکن نہیں ہے، اس لیے سالانہ پچاس ہزار کے قریب بچّے داخلہ لینے کے لیے دَر دَر بھٹکتے ہیں یا پھر مشکلات کی وجہ سے پڑھائی چھوڑنے کو مجبور ہیں۔ جو طالبِ عالم اقتصادی اعتبار سے مضبوط ہیں وہ تو باہر پڑھنے جاتے ہیں لیکن کمزور اور غریب طالبِ علم فاصلاتی نظام سے اپنی آگے کی تعلیم مکمل کرتے ہیں یا پھر روزگار کی تلاش میں نکل جاتے ہیں۔ مذکورہ تینوں کالج جہاں پی جی کی پڑھائی ہوتی ہے، وہاں بھی مخصوص مضامین کے لیے ہی منظوری ہے۔ سبھی موضوعات کی پڑھائی نہیں ہوتی ہے۔ رپورٹ کے مطابق ان کالجوں میں صرف 2110 سیٹیں مخصوص مضامین کے لیے مختص ہیں۔ جن بچوں کی تعلیم درمیان میں کالج نہیں ہونے سے منقطع ہوتی ہے اس میں زیادہ تر لڑکیاں ہوتی ہیں۔ 'بیٹی بچاؤ، بیٹی پڑھاؤ' کا نعرہ ضلع میں ناکارہ ثابت ہورہا ہے۔

رپورٹ کے مطابق سمستی پور کالج میں آرٹس اور سائنس مضمون کی پڑھائی ہوتی ہے۔ یہاں پی جی کے لیے 1080 سیٹیں منظور ہیں۔ بی آر بی کالج موہن پور کی بات کریں تو یہاں صرف چار موضوع کے ساتھ 480 سیٹیں مختص ہیں۔ آر بی کالج دلسنگھ سرائے میں بھی صرف چار مضمون کے لیے 550 طلبہ کو داخلہ لینے کی اجازت ہے۔ ان تینوں کالجوں میں اردو مضمون سے پی جی کی منظوری نہیں مل سکی ہے۔ ضلع کے طلبہ کو اردو مضمون میں پی جی کرنے کے لیے دربھنگہ ضلع کا رُخ کرنا پڑتا ہے یا پھر بیگوسرائے جانے کے لیے مجبور ہوتے ہیں۔ ضلع میں اردو مضمون میں پی جی کی پڑھائی کی منظوری نہیں ہونا بڑا المیہ ہے۔ ضلع میں تعلیمِ نسواں کو فروغ دینے کے لیے ویمنس کالج شہر کے وسط میں موجود ہے لیکن یہاں بھی پی جی کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ حکومت کی اجازت کے بعد ہی کالج میں پی جی کی پڑھائی شروع ہو پاتی ہے۔ رپورٹ کے مطابق ضلع کے سبھی سرکاری کالجوں کے پرنسپلوں نے پی جی کی پڑھائی کی منظوری حاصل کرنے کے لیے کئی بار متھلا یونی ورسٹی کو لیٹر لکھا لیکن منظوری نہیں ملنے سے اب تک کالجوں میں پڑھائی شروع نہیں ہوسکی۔ اس بارے میں پوچھے جانے پر طالبِ علم

...(بقیہ صفحہ 7 پر)

جلگاؤں ریلوے اسٹیشن کا نام اردو میں بھی لکھا جائے

جلگاؤں۔ جلگاؤں اسٹیشن پر اردو زبان میں لکھا ہوا نام اچانک ہٹا دیا گیا جس سے مقامی اردو دوست شہریوں میں غم و غصہ ہے۔ اس فیصلے پر برہمی کا اظہار کرتے ہوئے اردو والوں نے ریلوے انتظامیہ ڈی آر ایم دفتر بھُساول کے ذمے داران سے ملاقات کرکے دوبارہ اردو زبان میں نام لکھے جانے کا مطالبہ کیا۔ شہر کے کچھ سرکردہ شہریوں نے اتیاچار وِرودھی سنگھٹن مہاراشٹر کے پرچم تلے سنٹرل ریلوے حکام کو میمورنڈم دیا جس میں کہا گیا کہ ابھی تک ریلوے اسٹیشن کا نام چار زبانوں یعنی ہندی، مراٹھی، انگریزی اور اردو میں لکھا ہوا تھا۔ تاہم حال ہی میں تعمیراتی و درستی کے عمل کے دوران اردو زبان میں لکھے گئے نام کو ہٹا دیا گیا۔ میمورنڈم میں کہا گیا کہ اردو زبان وطنِ عزیز بھارت کی ایک اہم زبان ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا کہ ملک کے کئی ریلوے اسٹیشنوں پر آج بھی اردو زبان میں نام لکھے ہوئے ہیں، لہٰذا یہاں جلگاؤں اسٹیشن سے اسے ہٹانا اردو جاننے والے شہریوں کے ساتھ ناانصافی ہے۔ اس محضر پر جمیل شیخ، حسین حسن خاں، عمر کاکر، عرفان بھائی اور وسیم خاں کے دستخط ہیں۔ انھوں نے انتباہ کیا ہے کہ اگر اردو زبان میں نام دوبارہ نہ لکھا گیا تو دستوری اور جمہوری طریقے سے بڑا احتجاج کیا جائے گا۔

(اردو ٹائمز۔ ممبئی)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : **ایک لاپتا شہر کا سراغ**
مصنف : رمضان بلوچ
ضخامت : 326 صفحات
قیمت : 1600 روپے
ناشر : انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹاریکل اینڈ سوشل ریسرچ، کراچی
تبصرہ نگار : پروفیسر شاہد کمال

E-mail: shhdkamal@yahoo.com.
Mob. 923003739850

کراچی کا شمار برِّصغیر کے قدیم شہروں میں ہوتا ہے۔ بحیرۂ عرب کے کنارے آباد یہ شہر دنیا بھر میں کیماڑی کی قدرتی بندرگاہ کے تعلق سے بھی پہچانا جاتا ہے۔ ایک معلوم تاریخ کے مطابق اس شہر کو 1729 میں شناخت حاصل ہوئی۔ ابتدا میں ایک مختصر سے رقبے پر معمولی سی آبادی نے اپنا مسکن بنایا اور اس کے بعد سے اب تک اس شہر نے سماجی اور سیاسی حالات کی وجہ سے بہت سے رنگ بدلے۔ جہاں تک اس کے نام کا تعلق ہے تو شاید یہ دنیا کا واحد شہر ہے جو مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے پکارا جاتا رہا ہے جن کی تعداد تیس بتائی جاتی ہے ان ناموں میں دیبل، کلانچی، کلاچی، کراشی اور کھوراچی وغیرہ نے مقبولیت حاصل کی۔ جب کہ 1860 میں پہلی بار جب اس شہر میں چیمبر آف کامرس کا قیام عمل میں آیا تو اسی سال اسے متفقہ طور پر کراچی کا نام دیا گیا اور اُسی سال گزٹ میں گورنمنٹ نے اس نام کو صراحت سے بیان کردیا تاکہ تمام سرکاری دستاویزات میں 'کراچی' تحریر کیا جائے اور یوں پچھلے 164 برس سے مختلف ناموں سے پکارا جانے والا یہ شہر دنیا بھر میں کراچی کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ اس شہر کی لگ بھگ 300 سالہ تاریخ میں مختلف تغیرات دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی یہ کلہوڑوں کا شہر کہلایا تو کبھی تالپوروں کا، جب کہ آگے چل کر سر چارلس نیپئر کے شہر کی حیثیت سے جانا گیا۔ جس نے تالپوروں پر غلبہ حاصل کیا اور 1843 میں سندھ کا پہلا گورنر قرار پایا۔

اس شہر کی خوب صورتی کا ایک بڑا سبب دو اطراف میں بحیرۂ عرب کی موجودگی تھی جس نے اس شہر کے موسم کو وہ حسن بخشا کہ بیرونِ کراچی کے لوگوں کے لیے صرفِ نظر کرنا ممکن نہ رہا۔ جب کہ وقت کے ساتھ ساتھ یہاں پر موجود تجارتی مواقع لوگوں کے لیے اذنِ عام کا باعث بنتے گئے۔ یہ اور بات ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد اس تجارتی مرکز سے حاصل ہونے والے مادی وسائل نے لوگوں کے درمیان رسہ کشی کی صورت پیدا کردی جس نے سماجی اور سیاسی نوعیت کے مختلف مسائل کو جنم دیا۔ جنھوں نے اس شہر کی صورت اور نفسیات دونوں بدل کر رکھ دیں۔ جہاں اس وقت نفسی نفسی کا عالم ہے اور یہ شہرِ امن مادی دوڑ میں شامل انسانوں کا جنگل بن چکا ہے جس نے تہذیبی و اخلاقی روایات کو تقریباً تہس نہس کرکے رکھ دیا ہے اور اب یہ شہرِ امن شہرِ مغائرت کی شکل اختیار کرگیا ہے۔ ورنہ جمشید نسروانجی 'کراچی کا پہلا میئر' کے نام سے جانا جانے والا یہ شہر انسان تو انسان جانوروں کے حقوق کی بھی پاس داری کیا کرتا تھا۔ یہی وہ شہر ہے جس میں مختلف مذہبی مشنریز نے صحت اور تعلیم کے میدان میں وہ کارنامے انجام دیے جو رہتی دنیا تک یاد کیے جائیں گے۔ عیسائی مشنری کے تعلیمی اداروں میں سینٹ پیٹرکس اسکول/ کالج، سینٹ جوزف اسکول؍کالج، سینٹ لارنس اسکول؍کالج، سینٹ پال اسکول، سینٹ مائیکل اسکول شامل ہیں جب کہ اسی مشنری کی صحت کے میدان میں خدمات میں لیڈی ڈفرن ہسپتال، ہولی فیملی ہسپتال وغیرہ شامل ہیں۔ پارسیوں کی تعلیمی خدمات کے حوالے سے ماما پارسی اسکول، کراچی گرامر اسکول اور این ای ڈی یونی ورسٹی وہ نام ہیں جو اپنے تعلیمی معیار کے معاملے میں دنیا بھر میں پہچانے جاتے ہیں۔ اسی طرح کراچی میں موجود ہندو برادری بھی اس شہر کو بنانے میں کسی سے پیچھے نہیں رہی۔ ڈی جے سندھ گورنمنٹ سائنس کالج جو ابتدا میں تھیٹریکل کمپنی تھی پھر اس کے مالک دیارام جیٹھ مل نے 1920 میں اسے سندھ گورنمنٹ کو کالج کی حیثیت سے عطیہ کردیا اور آج بھی یہ کالج شہر کراچی میں اپنی مثال آپ ہے۔ اسی طرح صحت کے شعبے میں سوبھراج ہسپتال گائنی کے تعلق سے ایک صدی سے زائد مدت سے اپنی خدمات انجام دے رہا ہے۔

غرض کراچی میں رہنے والی ہر برادری نے اس کی تعمیر و ترقی میں اپنا حصہ ڈالا اور اس کی عظمت اور توقیر کا باعث بنی۔ کراچی کی تاریخ کا ذکر ہو اور لیاری کے مچھیروں اور سمندر پر نمک کے کارخانوں پر کام کرنے والوں بلوچوں کا ذکر نہ آئے یہ کیسے ممکن ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہر عہدِ گذشتہ میں اس شہر کی بنیادوں میں اپنا خون پسینہ شامل کیا۔ یہ کتاب بھی ایک ایسے ہی فرزندِ لیاری کی یادداشتوں کا مجموعہ ہے جس کا نصاب کراچی کے شب و روز سے حاصل کیا گیا ہے۔ رمضان بلوچ نے اپنی اسّی برس کی زندگی میں اس شہر کو کئی کروٹیں لیتے دیکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نظریں آج بھی اسی شہرِ رفتہ کو ڈھونڈ رہی ہیں جسے ناعاقبت اندیش سیاست دانوں نے مفادات کی دلدل میں گھسیٹ کر بے وقعت کردیا ہے۔ اس کتاب میں کراچی کا سفر 1729 سے شروع ہوکر مختلف احوالِ حزن و طرب کو تسخیر کرتا ہوا عہدِ رواں تک آجاتا ہے۔ ان تغیرات کے راستے میں برطانوی استعمار کی ایک صدی کا بیان بھی موجود ہے اور سر چارلس نیپئر کے تعمیری ذہن کی گلکاریاں بھی۔ یہاں کی ادبی صورتِ حال بھی اور تقسیمِ ہند سے قبل سیاست کے اُتار چڑھاؤ کی تصاویر بھی۔ مابعد تقسیم کے نئے عزائم کی جھلکیاں بھی اور مہاجرین کی آبادکاری کے مسائل کا گورکھ دھندا بھی۔ بعدازاں یہ کتاب ایوب خان کی آمریت سے لے کر پرویز مشرف کے زوالِ اقتدار تک کی کہانیاں کہتی ہے اور مختلف حکومتی ادوار میں کراچی کے حقوق کی رسہ کشی کی داستانوں کا احاطہ بھی کرتی دکھائی دیتی ہے۔ رمضان بلوچ نے اس کتاب میں نواز شریف کی حکومت کے تینوں ادوار اور پیپلز پارٹی کے عروج و زوال کے اثرات کا بھی جائزہ لیا ہے۔ رمضان بلوچ کراچی میں دائمی امن کے داعی ہیں اور اس کے مستقبل کی مانگ میں وہی ستارے چمکتے دیکھنا چاہتے ہیں جو سیاسی ریشہ دوانیوں کی دھول میں ماند پڑ گئے ہیں۔ ان کے نزدیک اس شہر کی روایتی بود و باش اپنی آب و تاب کھو چکی ہے لیکن اس کا اندازہ صرف وہ لوگ کرسکتے ہیں جنھوں نے اس شہر کو زندگی سے بھرپور جگمگاتے دیکھا ہے۔ وہ نسل جو سیاسی زوال پذیری کے زمانے میں پل کر جوان ہوئی اور اب ادھیڑ عمری کے مرحلے میں ہے وہ تو ویسے ہی ایک بیمار معاشرے کی پیداوار ہے جسے معلوم ہی نہیں کہ صحت مندی کا سرور کیا ہوتا ہے۔ یہ کتاب اہلِ کراچی کے لیے ایک ایسی تاریخی دستاویز ہے جس میں صرف بربادی کی نوحہ گری ہی نہیں مستقبل کی چاندنی کی امید بھی موجود ہے۔ انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹاریکل اینڈ سوشل ریسرچ نے اس کتاب کو شائع کرکے اس شہر کے ارتقائی تسلسل میں اپنا حصہ ڈالا ہے جو نہ صرف لائقِ داد ہے بلکہ اس بات کی گواہی بھی ہے کہ ابھی اس شہر میں کچھ ایسے ادارے باقی ہیں جو ماضی کی بکھری ہوئی کرچیاں سمیٹ کر بہتر مستقبل کی تلاش کا کارِ خیر انجام دے رہے ہیں۔ 'ایک لاپتہ شہر کی تلاش' صرف اہلِ کراچی کے لیے نہیں بلکہ پورے برِّصغیر کے لوگوں کے لیے ایک ایسی تاریخی اور سماجی دستاویز ہے جس میں اس شہر کی تغیراتی کیفیات کا بھرپور عکس دیکھا جاسکتا ہے۔

◆◆

نام کتاب : **بجلیاں** (افسانچوں اور افسانوں کا مجموعہ)
مصنف : ڈاکٹر شیخ رحمٰن اکولوی
ضخامت : 72 صفحات
قیمت : 70 روپے
ملنے کا پتا : ڈاکٹر شیخ رحمٰن اکولوی، دیپک چوک، اکولہ-444006 مہاراشٹر
تبصرہ نگار : ڈاکٹر ابراہیم افسر

E-mail: ibraheem.siwal@gmail.com

اُردو ادب میں افسانچہ لکھنے کی ابتدا سعادت حسن منٹو کے 'سیاہ حاشیے' (1948) سے تسلیم کی جاتی ہے۔ اس مجموعے کے منظرِ عام پر آنے کے بعد فکشن نگاروں کی توجہ افسانچہ نگاری کی جانب مبذول ہوئی۔ اس وقت تک لاتعداد افسانچے اور افسانچوں کے مجموعے شائع ہوکر قبولیت کی سند حاصل کرچکے ہیں۔ افسانچوں کی دنیا میں ایک اہم نام ڈاکٹر شیخ رحمٰن اکولوی کا بھی ہے۔ ڈاکٹر شیخ رحمٰن اکولوی تقریباً ساٹھ برسوں سے ادب کی خدمت کررہے ہیں۔ ان کے افسانے اور افسانچے ملک و بیرونِ ملک کے موقر رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے افسانچوں کا پہلا مجموعہ 'عکسِ شعور' 1978 میں منظرِ عام پر آیا۔ اس مجموعے کے منظرِ عام پر آنے سے شیخ رحمٰن اکولوی کو افسانچوں کی دنیا میں منفرد مقام حاصل ہوا۔ ناقدین نے 'عکسِ شعور' کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس پر اپنے مثبت تاثرات کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر شیخ رحمان اکولوی کی اہم کتابوں پر آل انڈیا ریڈیو کی اُردو سروس سے بھی مذاکرے اور تبصرے نشر ہوئے۔ مشہور محقق و مدون رشید حسن خاں نے اُردو سروس، دہلی سے 6 اکتوبر 1985 کو 'الف سے قطب مینار' پر تبصرہ کیا۔ ان کی ادبی خدمات کے عوض میں ملک کی مختلف اکادمیوں اور انجمنوں نے انھیں انعامات و اعزازت سے بھی نوازا ہے۔ ڈاکٹر شیخ رحمٰن اکولوی کی اب تک جو کتابیں شائع ہوئیں ان میں 'بلاعنوان' (1981)، 'الف سے قطب مینار' (1985)، 'ناٹ آؤٹ' (1989)، 'باقی آئندہ' (2001)، 'پیاری پیاری کہانیاں' (2004)، 'سرخاب کے پر' (2008)، 'آل از ویل' (2014) وغیرہ اہمیت کی حامل ہیں۔

1978 کے بعد اب 2024 میں یعنی 46 سال بعد ڈاکٹر شیخ رحمٰن اکولوی کا افسانچوں کا دوسرا مجموعہ 'بجلیاں' منظرِ عام پر آیا ہے۔ اس مجموعے میں موصوف نے کچھ پرانے اور کچھ نئے افسانچے شامل کیے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب میں افسانچوں کی تعداد 69 ہے۔ افسانچہ 'مرد اور عورت' کو مناظر عاشق ہرگانوی نے اپنی کتاب 'پرت در پرت' [افسانچوں کا عالمی انتخاب] (2019)، میں شائع کیا۔ ڈاکٹر شیخ رحمٰن اکولوی نے اپنے پیش لفظ میں لکھا کہ 'افسانچوں کا دوسرا مجموعہ ترتیب دے رہا تھا کہ خیال آیا کہ کچھ مختصر افسانے بھی ہیں اس لیے افسانچوں کے ساتھ انھیں بھی شائع کردیا جائے۔ یہ افسانے میں نے ابتدائی دور میں لکھے تھے۔ افسانہ 'نیوز ریڈر' ابھی ابھی کا ہے۔' (ص6)

ڈاکٹر شیخ رحمٰن اکولوی نے جہاں ایک جانب یک سطری، دوسطری، تین سطری افسانچے تخلیق کیے، وہیں ایک اور ڈیڑھ صفحات پر مشتمل افسانچے بھی تحریر کیے۔ ان کے افسانچوں میں ہمیں جگہ جگہ طنز و مزاح کے علاوہ غور و فکر کرنے والی باتیں بھی پڑھنے کو ملتی ہیں۔ بھلے ہی ان کا افسانچہ ایک سطری ہو لیکن وہ تین چار صفحات پر پھیلی ہوئی کہانی کو مات دیتا ہے۔ ان کے افسانچوں کا ایک ایک جملہ اور ایک ایک لفظ قارئین کے اذہان کی گرہوں اور گتھیوں کو کھولنے اور سلجھانے کے لیے کافی ہے۔ ان کے افسانچوں کی خاص بات یہ ہے کہ ان کی قرأت کرتے وقت قاری کو لاابالی پن اور بوریت محسوس نہیں ہوتی بلکہ کہانی کا تجسس ہمیں ان افسانچوں کا مطالعہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ ڈاکٹر شیخ رحمٰن نے اپنے

افسانچوں میں وہی لکھا، جومحسوس کیااور جیسے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔کہانی بھلے ہی ایک جملے پر ختم ہوگئی ہولیکن اس کے اثر اور سحر انگیزی سے قاری خود کو جکڑا ہوامحسوس کرتا ہے۔ان کے افسانچوں کی کچھ مثالیں ملاحظہ کیجیے جن میں قاری کے ساتھ ساتھ ہمارے لیے درس وسبق پنہاں ہے:

(۱) خالی ٹرین: صرف تتکال ٹکٹ دستیاب ہے۔خالی ٹرین دوڑ رہی ہے۔

(۲) سائیڈ افیکٹ: سڑکیں اچھی بن گئیں۔حادثات بڑھ گئے۔

(۳) دوراندیشی: تم کرایہ کا مکان بھی وارڈ ممبر کے گھر کے پاس چاہتے ہو؟ ’وہاں روزانہ صفائی ہوتی ہے۔‘

(۴) سناٹا: وہ سات زبانیں جانتا تھالیکن گھر میں گونگا بن جاتا۔اس کی بیوی اور بیٹی گونگے تھے۔

(۵) مجبوری: ’مؤذن صاحب! آپ نے رنگ برنگی کپڑے پہنے‘۔ ’یہی کپڑے اُدھار مل سکے۔‘

(٦) حساب کتاب: ’تم ذکر کرتے ہو تو تسبیح کیوں نہیں لیتے؟‘۔ ’بے حساب دینے والے کا ذکر حساب کتاب کے ساتھ اچھا نہیں لگتا۔‘

(۷) بلاعنوان: ’اچھا ہوا آپ کی بیٹی کی شادی کا انتظام ہوگیا۔‘ ’میں نے اپنی ایک کڈنی بیچ دی۔‘

(۸) ایک ماں کی دعا: ’اللہ تعالیٰ مجھے بیٹی دینا تو بدصورت دینا کہ مردوں کی ہوس بھری نظروں سے محفوظ رہے۔‘

(۹) گھر گھر ترنگا: ’آپ نے ترنگا نہیں خریدا؟‘۔ ’میں بے گھر ہوں‘

(۱۰) نجات: تیز رفتار ٹرک ایک شخص کو کچلتا ہوا گزر گیا۔کل ہی ایک جیوتشی نے اسے بتایا تھا کہ بہت جلد اس کی پریشانیاں ختم ہونے والی ہیں۔

ڈاکٹر شیخ رحمٰن اکولوی کے افسانچوں کی یہ چند جھلکیاں ہیں جن میں انھوں نے اپنی زندگی کے تجربات اور مشاہدات کو شامل کیا۔حالاں کہ ان واقعات سے ہم سب نبرد آزما ہوتے ہیں لیکن واقعات کو افسانچہ کی شکل میں پیش کرنے کا ہنر کچھ لوگوں کو ہی آتا ہے۔موصوف نے بڑے ہی سلیقے سے سماج اور حکومت کو آئینہ دکھانے کا کام کیا ہے۔انھوں نے سماج کی بدلتی قدروں کو طشت از بام کیا۔آپسی رشتوں کی تلخی، فیشن کے نام پر عریانیت، سچ کے بجائے جھوٹ کا فروغ وغیرہ پر ڈاکٹر شیخ رحمٰن اکولوی نے چابک دستی کے ساتھ اپنے افسانچوں میں فنی کمال کا مظاہرہ کیا۔

بہر حال! ڈاکٹر شیخ رحمٰن اکولوی سینئر ادیب ہیں۔ان کی کتابوں پر ادب کے نامور لوگوں بالخصوص جوگندر پال، کوثر چاند پوری، اخلاق اثر، رام لعل، رشید حسن خاں، مظفر حنفی، قمر رئیس، محبوب راہی، یوسف ناظم، عبدالرحیم نشتر، عباس حسن، گوپی چند نارنگ، عبداللطیف اعظمی، ظ.انصاری، مناظر عاشق ہرگانوی، ظفر کمالی، سیفی سرونجی، فاروق سید، منظور عثمانی، یعقوب رحمٰن، حقانی القاسمی، نذیر فتح پوری، شمیم اختر، عظیم راہی، خواجہ احمد عباس، اسلم جمشید پوری، احمد جمال پاشا، شارب ردولوی، محمد حسن، نامی انصاری اور انور سدید وغیرہ نے اپنی گراں قدر آرا کا اظہار کیا ہے۔ویسے ڈاکٹر شیخ رحمٰن اکولوی طنز ومزاح اور انشائیہ نگاری میں اپنا منفرد مقام رکھتے ہیں لیکن ان کے افسانوں، افسانچوں اور انشائیوں میں بھی طنز ومزاح شامل رہتا ہے۔وہ بال سے کھال نہیں نکالتے بلکہ کھال میں سے بات نکالنے پر یقین رکھتے ہیں، اس لیے ان کے افسانچوں میں جا بجا تیکھی اور چبھتی ہوئی باتیں ہمارے قلوب پر سیدھا اثر کرتی ہیں۔ یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب کسی فن کار کے لیے دل سے آہ اور واہ نکلتی ہے۔ در اصل ڈاکٹر شیخ رحمٰن اکولوی نے سماج کی بے حسی کو اپنے افسانچوں کا ماخذ ومواد بنایا ہے۔انھوں نے روزمرہ زندگی کو متاثر کرنے والے واقعات کو افسانچوں کی شکل میں قارئین کے سامنے پیش کیا۔اس موقع پر راقم ڈاکٹر شیخ رحمٰن اکولوی کو مبارک باد پیش کرتا ہے کہ انھوں نے قارئین کے دل و دماغ پر افسانچوں کی ’بجلیاں‘ گرائی ہیں۔قوی امید ہے کہ زیرِ نظر کتاب ’عکسِ شعور‘ کی طرح ادب میں اپنا منفرد مقام حاصل کرے گی۔ ◆◆

بقیہ: فراقؔ گورکھ پوری ایک نا قابلِ فراموش شاعر

(بقیہ صفحہ 3 سے آگے)

اس طرح فراقؔ نے اپنی شاعری کے ذریعے ہمیشہ یہ ثابت کیا ہے کہ حسن وعشق زندگی کا صحت مند تقاضا ہیں۔ فراق کے ہاں خوشیوں، محرومیوں، اداسیوں اور جذبوں سے متعلق بھی کئی نظمیں ہیں جو فنی اور اسلوبیاتی لحاظ سے بہت دلکش ہیں۔فراق ہر وقت اپنی مثبت سوچوں کو شعری روپ دیتے ہیں جن کے مطالعے سے ہمارے دلوں کو تسکین ملتی ہے۔ہمارے شعرا نے ہر دور میں رنج وغم کے زندہ شعری پیکر تراشے ہیں، فراق کی شاعری میں بھی درد کی یہ شدید لے دیکھی جاسکتی ہے۔ کہتے ہیں:

زندگی کیا ہے اس کو آج اے دوست
سوچ لیں اور اداس ہو جائیں

ضبط کیجیے تو دل ہے انگارا
اور اگر رو دیے تو پانی ہے

مزید چند اشعار یہاں درج کرتے ہیں جن کے مطالعے سے شاعر کی فنی عظمت اجاگر ہوتی ہے:

سنتے ہیں عشق نام کے گذرے ہیں اک بزرگ
ہم لوگ بھی فقیر اسی سلسلے کے ہیں

رات بھی نیند بھی کہانی بھی
ہائے کیا چیز ہے جوانی بھی

فراقؔ کی شاعری پر ہمارے اہلِ قلم اور مشاہیرِ ادب نے تا حال بہت کچھ لکھا ہے اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔۔جس طرح سے ان پر مضامین لکھ کر دعوے اور دلیلوں سے خراج پیش کیا گیا ہے اس سے فراقؔ کی اہمیت، انفرادیت اور آپ کی شاعری کے تغزل کے لوازمات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ہمارے کئی ائمۂ سخن نے آپ کو اردو ادب کا سب سے بڑا شاعر قرار دیا ہے کیوں کہ فراق کے جادو بیاں قلم نے لفظ و معانی کے ایسے گل بوٹے کھلائے ہیں کہ جس کی خوشبو تا دیر گلستانِ شعرو ادب کو مہکاتی رہے گی۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اِک عمر کٹ گئی ہے ترے انتظار میں
ایسے بھی ہیں کہ کٹ نہ سکی جن کی ایک رات

لائی نہ ایسوں ویسوں کو خاطر میں آج تک
اونچی ہے کس قدر تری نیچی نگاہ بھی

کون یہ لے رہا ہے انگڑائی
آسمانوں کو نیند آتی ہے

کوئی سمجھے تو ایک بات کہوں
عشق توفیق ہے گناہ نہیں

اور یہ شعر تو زبان زدِ خاص وعام ہوگئے ہیں:

ذرا وصال کے بعد آئینہ تو دیکھ اے دوست
ترے جمال کی دوشیزگی نکھر آئی

تم مقابل بھی ہو قریب بھی ہو
تم کو دیکھیں کہ تم سے بات کریں

آخر میں ہم یہ اعتراف کرتے ہیں کہ اس مختصر مضمون میں فراق گورکھپوری کی شاعری کے ساتھ ہم انصاف نہیں کر سکے۔آپ کی شاعری ایسی ہے جو ایک علاحدہ اور تفصیلی مطالعے کی متقاضی ہے۔فراق کا قلم آخری سانس تک بھی متحرک اور ذہن زرخیز رہا۔نہ صرف شاعری بلکہ اپنی شوخیِ گفتار، خوش طبعی، شگفتگی اور زندہ دلی کی بدولت اردو والوں کے دلوں میں آپ ہمیشہ درخشاں رہیں گے۔

سراج زیبائی
شیموگہ کرناٹک (انڈیا)
E-mail: sirajzebayi10@gmail.com
Mobile No. 8296694020

کالج میں پی جی نہیں ہونے سے ضلع کے طالبِ علم پڑھائی چھوڑنے پر مجبور

(بقیہ صفحہ 5 سے آگے)

سیّد شہباز رضا نے بتایا کہ پی جی کی تعلیم کی منظوری نہیں ملنے کے پیچھے کئی وجوہ ہیں۔انفراسٹرکچر کی کمی تو ہے ہی، ضرورت کے مطابق اساتذہ بھی بحال نہیں ہیں۔ضلع میں 12 سرکاری کالج ہیں جس میں اصول کے مطابق اساتذہ دستیاب نہیں ہیں۔گیسٹ ٹیچر کے کاندھوں پر ہی کالج کے درس وتدریس کی ذمے داری ہے۔ایسی حالت میں پڑھائی کیسے شروع ہوسکتی ہے۔آل انڈیا اردو موومنٹ کے قومی کنوینر ڈاکٹر بسمل عارفی نے اس بارے میں کہا کہ ضلع میں لاکھوں کی تعداد میں اردو سے دل چسپی رکھنے والے لوگ رہتے ہیں لیکن ضلع میں اردو مضمون میں پی جی نہیں ہونے سے طلبہ کو کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔لڑکے تو دوسرے ضلع میں جاکر پی جی کرکے اپنی تعلیم مکمل کر لیتے ہیں لیکن لڑکیوں کو پڑھائی چھوڑنی پڑتی ہے۔کئی بار ہمارا وفد سرکاری کالجوں کے پرنسپل سے اردو مضمون میں پی جی کی پڑھائی شروع کرنے کو لے کر تحریری اور تقریری طور پر میمورنڈم سپرد کر چکا ہے لیکن اب تک اس جانب کوئی پیش رفت نہیں ہونا افسوس کا مقام تو ہے ہی، ساتھ ریاست کی دوسری سرکاری زبان کے ساتھ سوتیلا رویّہ ہے۔جلد ہی آل انڈیا اردو موومنٹ کا وفد وزیرِ تعلیم سے مل کر اس جانب ان کی توجہ مرکوز کرے گا۔اس بارے میں سمستی پور کالج کے شعبۂ اردو کے صدر ڈاکٹر محمد صفوان صفوی نے کہا کہ اردو مضمون میں پی جی کی تعلیم کے لیے کئی بار یونی ورسٹی کو لکھا جا چکا ہے لیکن اساتذہ کی کمی کی وجہ سے اب تک منظوری نہیں مل سکی ہے۔سمستی پور کالج میں کتنے اردو کے استاد ہیں اس سوال کے جواب میں ڈاکٹر صفوان نے کہا کہ ایک گیسٹ ٹیچر آئے تھے لیکن بی پی ایس سی میں بحالی کے دوران ان کی تقرری پلس ٹو اسکول میں ہوگئی، اس لیے انھوں نے سمستی پور کالج کو چھوڑ کر پلس ٹو اسکول میں جوائن کرلیا۔اب صرف میں ہی سمستی پور کالج میں اردو استاد کے طور پر ہوں۔

(انقلاب۔دہلی)

اداریے
(مشفق خواجہ)
محمد صابر
قیمت: 500 روپے

پروفیسر عبدالمجید خاں کی یادیں

ڈاکٹر مرضیہ عارف

میں استادِ محترم پروفیسر عبدالمجید خاں صاحب کی سرگرم زندگی، علمی انہماک اور درس و تدریس کی سرگرمیوں کے بارے میں جب بھی تصور کرتی ہوں تو یہ شعر یاد آجاتا ہے:

بارے دنیا میں رہو، غمزدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کرکے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

اُستادِ محترم سے میری پہلی ملاقات زمانۂ تعلیم کے دوران اُس وقت ہوئی جب مقامی لکشمی بائی گرلس کالج سے ایم اے میں داخلہ لینے کے لیے حاضر ہوئی تھی۔ موصوف نے پہلی ملاقات میں نہایت شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے میرا نام دریافت کیا اور والدِ محترم عارف عزیز صاحب کے تعلق سے دیرینہ تعلق و محبت کا، اِس خلوص کے ساتھ اظہار فرمایا کہ آج تک مجھے اپنی یہ پہلی ملاقات یاد ہے۔

پروفیسر عبدالمجید صاحب کے فارسی اور اردو ادب سے متعلق مضامین کے مجموعے 'منتخب مقالات' کا اجرا ہوا تو میری نظر میں اُن کا پُرشفقت چہرہ ایک بار پھر پھر گیا، والدِ محترم کے پاس اس کتاب کو دیکھا تو دیر تک اِس کی ورق گردانی کرتی رہی۔

مضامین پڑھنے کو دل چاہ رہا تھا لیکن کتاب اپنے ہمراہ گھر نہیں لاسکی۔ شاید دل سے دل کو راہ، اسی کو کہتے ہیں کہ دوسرے دن مجھے یہ کتاب عمِ محترم جناب ادریس مونس صاحب کے ذریعے مل گئی اور انھوں نے اس پر کچھ لکھنے کی تاکید بھی فرمائی، لیکن بعض ناگزیر وجوہ سے اِس میں تاخیر ہوتی گئی، بعد میں وقت فارغ کرکے قلم و کاغذ سنبھالا ہے تو سوچتی رہی کہ بات کہاں سے شروع کروں۔ اس وقت میرے سامنے پروفیسر عبدالمجید خاں صاحب کی کتاب موجود تھی، جس میں جملہ پندرہ مضامین شامل تھے۔ اس کا تعارف (مقدمہ) اردو دنیا کی مستند ہستی استادِ گرامی پروفیسر آفاق احمد صاحب کے زورِ قلم کا نتیجہ تھا، جس میں استادِ محترم نے کوزے میں سمندر سمو دیا ہے۔ پروفیسر مجید صاحب کے تعلیمی مراحل سے لے کر تدریسی سرگرمیوں تک روشنی ڈالی اور مقالات و مضامین کا تعارف بھی کرادیا، نیز اِن کے موضوعات کا احاطہ کرتے ہوئے خاص طور پر جس پہلو کو نمایاں کیا وہ صاحبِ کتاب کی فارسی ادب پر گہری دسترس ہے، جسے اپنے مخصوص اندازِ بیان سے محترم نے مزید نمایاں کر دیا ہے۔ آگے استادِ گرامی کے الفاظ کا ہی سہارا لیتی ہوں۔ فرماتے ہیں:

پروفیسر مجید صاحب ایک وسیع مطالعہ اسکالر تھے، گو مذکورہ موضوعات عام قارئین کے لیے اجنبی ہوسکتے ہیں لیکن اِسے پروفیسر مجید صاحب کی جرأتِ رندانہ سے ہی تعبیر کیا جائے گا کہ انہوں نے اِن موضوعات پر قلم اٹھانے کی سعی فرمائی اور اپنے مطالعے کے دفتر کو کھنگالتے ہوئے نہایت دقتِ نظری و عرق ریزی سے موضوعات میں فکر و فن کا باب کھول دیا۔ اِسی طرح 'بیگماتِ بھوپال کے ادب میں اسلامی رجحانات' بڑا فکر انگیز مضمون ہے، جو قاری کو اپنی جانب متوجہ کرتا ہے، جب کہ 'حضرت شاہ پیر فتح اللّٰہ صاحب - تاریخ کی روشنی میں' ایک خالص تحقیقی کاوش ہے، جس کو عقیدت کے جوش کے بجائے تحقیق کی روشنی میں قلم بند کرکے موضوع کا حق ادا کر دیا گیا ہے۔

''ان میں سے اکثر مضامین تحقیقی نوعیت کے ہیں اور ان کا مطالعہ ان موضوعات پر سنجیدہ مباحث کے در، وا کرتا ہے، کسی ادبی تحقیق یا تحریر کا یہ وصف بلاشبہ قابلِ ذکر ہے کہ اس کے بارے میں پُرزور طریقے سے گفتگو ہو، مجید صاحب کی یہ کاوش اِسی وصف سے عبارت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مجید صاحب کے 'منتخب مقالات' کی ادبی حلقوں میں ضرور پذیرائی ہوگی، جس کے وہ مستحق ہیں۔''

کتاب کے نو مضامین 'تاثیر زبان فارسی بر فرہنگ ہند'، (2) 'علامہ اقبال اور افغانستان' (3) 'تعمیرِ انسانیت میں حافظ شیرازی کی شعری خدمات' (4) 'نواب شاہ جہاں بیگم کی فارسی شاعری' (5) خان محمد خاں شہپرؔ (6) 'مولانا محمد عباس رفعتؔ' (7) منشی کنج منوہر لال نوشؔ' (8) 'سرسوتی سرن کیف- فارسی کے صاحبِ دیوان شاعر' (9) 'صوفیاے ہند کی زبان و ادب میں خدمات' فارسی زبان و ادب کے تعلق سے اہمیت و افادیت کے حامل مضامین ہیں۔ محترم پروفیسر مجید صاحب ایک وسیع مطالعہ اسکالر تھے، گو مذکورہ موضوعات عام قارئین کے لیے اجنبی ہوسکتے ہیں لیکن اِسے پروفیسر مجید صاحب کی جرأتِ رندانہ سے ہی تعبیر کیا جائے گا کہ انھوں نے اِن موضوعات پر قلم اٹھانے کی سعی فرمائی اور اپنے مطالعے کے دفتر کو کھنگالتے ہوئے نہایت دقتِ نظری و عرق ریزی سے موضوعات میں فکر و فن کا باب کھول دیا۔ اِسی طرح 'بیگماتِ بھوپال کے ادب میں اسلامی رجحانات' بڑا فکر انگیز مضمون ہے، جو قاری کو اپنی جانب متوجہ کرتا ہے، جب کہ 'حضرت شاہ پیر فتح اللہ صاحب- تاریخ کی روشنی میں' ایک خالص تحقیقی کاوش ہے، جس کو عقیدت کے جوش کے بجائے تحقیق کی روشنی میں قلم بند کرکے موضوع کا حق ادا کر دیا گیا ہے۔

'منتخب مقالات' میں پروفیسر عبدالمجید خاں کے اپنے ہم عصر شعرا پر رقم کیے گئے مضامین بھی ہیں جو ان کی تنقیدی نگارش کا ثبوت ہیں، جن میں انھوں نے راج کماری سورج کلا سہاے سرور، حامد سعید خاں حامد، ظفر صہبائی اور مسعود علی خاں اخترؔ جیسے متنوع اور ایک دوسرے سے مختلف شعرا کے فکر و فن کا جائزہ لے کر ان کی شعری خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اِن مضامین کے مطالعے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ پروفیسر مجید صاحب نے تنقیدی موشگافیوں کے بجائے تجزیاتی طرز کو اپنایا ہے اور منفی پہلوؤں سے صرفِ نظر کرکے مثبت پہلو کو اجاگر کرنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے۔ 'منتخب مقالات' پر یہ ایک طائرانہ نظر ہے، جس میں موضوع کا حق ادا تو نہ ہوا، ایک ادنا شاگردہ کی جانب سے استاد کے تئیں خراجِ عقیدت کی راہ ضرور، وا ہوگئی ہے۔

مکان نمبر 4، اسٹریٹ نمبر 1، ریت گھاٹ روڈ، بھوپال-462001
Mob. 6267843376

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722